سُورَةُ الْبَلَدِ

عربی متن — بامحاورہ اُردو ترجمہ و تفسیر

اِفادات

الحافِظ علامہ نُورالدین

مدیر

عَبدالمنان عُمر - امتہ الرحمٰن عُمر

سُورَةُ الْبَلَدِ - ﴿٩٠﴾ - مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کا نام لے کر جو بے حد رحمت والا، بار بار رحم کرنے والا ہے

(میں سُوْرَةُ الْبَلَدِ پڑھنا شروع کرتا ہوں)

خلاصہ مضمون: پچھلی سورۃ میں بتایا تھا کہ اہل مکہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کر رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی دعاؤں اور سنت اللہ کے مطابق وہ بھی عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے، کیونکہ ماللہ تعالیٰ کے مرسلوں کے مخالفین کا انجام یہی ہوا کہ بالآخر وہ ہلاک ہوگئے۔ اس سورۃ میں اس شہر مکہ پر عذاب آنے اور اس میں اب تک تاخیر کی وجہ بتائی ہے اور بتایا ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں جو انسان کو بدی اور سرکشی پر دلیر اور بے باک کر دیتے ہیں۔ پھر یہ بھی بتایا ہے کہ انسان ایک جواب دہ ہستی ہے اور اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اعلیٰ درجے کے قویٰ دیئے ہیں اور نیکی و بدی کا راستہ بتا کر اس کی تمیز فطرت میں رکھ دی ہے۔ اس پر بھی اگر وہ اعمال صالحہ نہ بجالائے تو سخت غلطی ہے۔

لَآ أُقۡسِمُ بِهَٰذَا ٱلۡبَلَدِ ﴿۱﴾

۱۔یوں نہیں (جس طرح تم سمجھتے ہو) میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں،

۹۰:۱۔لَا أُقْسِمُ: مخاطب کے مافی الضمیر میں جو امور مستبعد معلوم ہوتے ہیں ان کی نفی کے لیے کلمہ لَا ہے۔وَ المُرَاد مَاالاَمرُ کَمَا وَ هَمُوا یعنی جیسا انہوں نے خیال کیا ہے ویسا نہیں۔الْبَلَدِ یہ شہر مکہ ہے۔اس جگہ مکہ معظمہ کو لَا کے لفظ سے اس لیے ذکر کیا ہے کہ توجہ دلائے کہ یہی شہر ایک وقت میں ایک نامعلوم مقام وادی غیر ذی ذرع میں تھا۔جس خدا تعالیٰ نے اسے بلد بنادیا ہے اس کا منشا ہے کہ ایک یتیم بے سروسامان کو بادشاہوں کا بادشاہ بنادے۔

وَأَنتَ حِلُّۢ بِهَٰذَا ٱلۡبَلَدِ ﴿۲﴾

۲۔جب کہ تم اس شہر میں (بطور فاتح) اُترنے والے ہو۔

۹۰:۲۔حِلٌّ: ۱۔تم شان و شوکت کے ساتھ اسے فتح کرکے اس شہر مکہ میں محل ہونے والے اور اترنے والے ہو اور عارضی طور پر نزول کرنے والے ہو۔آیت کریمہ :اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (القصص،۲۸:۸۵)کا بھی یہی مطلب ہے جس میں معاد مکہ معظمہ کو کہا گیا ہے۔۲۔وَ أَنْتَ حِلٌّ میں دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تم اس شہر میں اُترے ہوئے ہو اور مقیم ہو (مفردات)۔مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ کو جو عذاب کا وعدہ دیا گیا ہے وہ عذاب اس وقت تک رکا رہے گا جب تک کہ آنحضرت ﷺ شہر مکہ میں مقیم رہیں گے۔گویا وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ (الانفال،۸:۳۳)کا مضمون بیان ہوا ہے۔۳۔حِلٌّ کے معنی حلال کے بھی ہیں (مفردات)۔اور اس ہدف کو بھی

کہتے ہیں جس کی طرف تیر پھینکے جاتے ہیں (لسان العرب)۔ یعنی مکہ تو وہ شہر ہے جہاں جانوروں پر بھی ظلم منع ہے، اس کے درخت تک کاٹنے منع ہیں۔ پھر بھی اے محمد ﷺ تمہارے معاملے میں یہ حرمت باقی نہیں رہنے دی گئی (روح المعانی)۔ اور آپؐ پر طرح طرح کے ظلم توڑے جاتے ہیں حتیٰ کہ آپؐ کا قتل بھی حلال کر دیا گیا ہے اور اسی مکہ کی تقدیس اور حرمت کا عقیدہ رکھنے والے آپؐ کو اپنے تیروں سے نشانہ بنا رہے ہیں۔ صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے لے کر مکہ کو اللہ تعالیٰ نے محرم بنایا ہے اور قیامت تک اس کا محرم ہونا باقی رہے گا۔ صرف نبی اکرم ﷺ کے لیے فتح مکہ کے دن ایک ساعت کے لیے اجازت قتال دی گئی تھی اور وہ بھی اس لیے کہ اَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ یعنی اس بلد حرام میں کفار نے آپ کے قتل کی نسبت ارادہ کر لیا تھا گویا وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ (البقرۃ، ۱۹۴: ۲) کا منشا پورا ہوا۔ قرآن مجید میں کیسے بلیغ اور پر حکمت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ ایک وسیع مضمون کو محض ایک لفظ حِلٌّ اختیار کر کے ادا کر دیا ہے۔ یہ اختصار من جملہ قرآن مجید کے اعجاز کا ہے۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾

۳۔ اور (تمہارے) باپ (ابراہیمؑ) کی اور (اس کے) بیٹے (اسماعیلؑ) کی۔

۳:۹۰۔ وَالِدٍ: حضرت ابراہیم علیہ السلام، وَلَدَ حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ آنحضرت ﷺ کے بعد وَالِدٍ اور وَلَد ہونے کا بہترین نمونہ یہی دو بزرگ ہستیاں ہیں۔ ان الفاظ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی شہادت پیش کی ہے جن کا شہر مکہ سے گہرا تعلق ہے اور ان کی قربانیوں اور مشقتوں کو پیش کیا ہے کہ بہت سی تکلیفوں اور قربانیوں کے بعد آخر وہ بھی کامیاب ہوئے۔ شہادت یہ ہے کہ پیچھے جو کچھ بیان ہوا ہے وہ بھی درست ہے اور آگے جو بیان ہونے والا ہے کہ انسان کبد میں پیدا کیا گیا ہے اور وہ رہین محنت ہے وہ بھی درست ہے۔ طبریؒ

اور ماوردیؒ کہتے کہ وَالِدٍ سے نبی ﷺ اور مَا وَلَدَ سے آپ کی امت مراد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ (ابوداؤد، کتاب الطھارۃ، باب کراھیۃ استقبال القبلۃ، حدیث: ۸) میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ کے ہوں۔ گویا اس جگہ آنحضرت ﷺ، صحابہ کرامؓ اور صلحائے امت کا کردار پیش کیا گیا ہے۔ ہر انسان اور اس کا والد بھی بعض نے مراد لیا ہے۔ وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ سے یہ بھی مراد ہے کہ ہر چھوٹا بڑا، باپ اور بیٹا تمام اس بات کو یاد رکھیں کہ آخر یہ رسول کامیاب اور فائز المرام ہو گا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿٤﴾

۴۔ کہ ہم نے انسان کو یقیناً محنت و مشقت کیلئے پیدا کیا ہے،

۹۰:۴۔فِي كَبَدٍ: اس میں بتایا ہے کہ انسان کی تمام ترقیات کا مدار محنت و کوشش پر ہے۔ الکَبَد کے معنی مشقت کے بھی ہیں (مفردات)۔ سچ ہے بقدر الکد تکتسب المعالی و من طلب العلی سحر اللیالی یعنی انسان کو عظمتیں اس کی محنت کے مطابق ملتی ہیں۔ جس نے بلندیاں حاصل کرنی ہوں اسے راتوں کو جاگنا پڑتا ہے، خواہ تہجد کے لیے خواہ دوسرے اہم کام سرانجام دینے کے لیے۔ انسان کی ترقی درجات محنت کے بغیر نہیں ہوتی۔ تساہل، سست گامی اور نکمے پن سے کام لینا اور کامیابی کی امید یہ غیر اسلامی فعل ہے۔ پھر اس میں اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ انسان مکلف ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے حدود و فرائض مقرر ہیں۔ پھر یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے دشمن کو دکھ پہنچانے میں سنگ دلی اور بے رحمی تو کرتا ہے لیکن یہی بے رحمی اور سنگ دلی جب الٹ کر اسے نشانہ بناتی ہے تو طرح طرح کی سختیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ سورۃ کی ابتدائی سات آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کی سات آیتوں کی طرح ان سات آیتوں میں بھی مضمون نصفا نصف

مشترک طور پر بٹا ہوا ہے۔ پہلی تین آیتوں میں بتایا ہے کہ انسان کامل محمد مصطفی ﷺ کو جو شان و شوکت ملے گی وہ آپ کی محنتوں اور جانفشانیوں کا نتیجہ ہے اور کفار کو جو جان و مال کی تباہی دیکھنی پڑے گی وہ ان کی الٹی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہوگا۔ مکہ کی فتح اور کفار کی شکست پر آیت کریمہ :وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَ اَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی (النجم، ۴۰-۳۹: ۵۳) خوب اچھی طرح روشنی ڈالتی ہے۔ پہلے حصے کے مخاطب انسان کامل محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور بعد کی چار یا ساڑھے تین آیتوں کا روئے سخن کفار کی طرف ہے۔ یہاں یہ بتایا کہ شریعت اور احکام الٰہیہ مالا یطاق تکلیف کے پیچھے نہیں آتے جیسے عیسائیوں کا خیال ہے۔ان لوگوں کو انسانی فطرت ملزم کر رہی ہے۔

أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾

۵۔ کیا اس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس کے خلاف کسی کا بھی زور نہیں چلے گا۔

۹۰:۵۔لَنْ یَقْدِرَ عَلَیْہِ: عربی زبان لَنْ کا لفظ نفی تاکیدی زمانہ مستقبل کے لیے ہے اور اس کے بعد علٰی کا لفظ ہے جو ضرور کے لیے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کفار کو ضرور شکست ہوگی۔

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾

۶۔ وہ کہے گا: میں نے تو ڈھیروں ڈھیر مال لٹا دیا ہے۔

۹۰:۶۔یَقُوْلُ: یہ مضارع کا صیغہ ہے جس میں حال اور استقبال دونوں شامل ہیں۔ مگر واقعات کے لحاظ سے زمانہ مستقبل کی طرف زیادہ توجہ دلاتا ہے کہ یہ مخالف اپنا کچھ مال تو آنحضرت ﷺ کی مخالفت میں خرچ کر چکے ہیں اور ابھی اور بھی خرچ کر کے ناکام رہیں

گے۔ دوسری جگہ اس مضمون کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَسَیُنْفِقُوْنَہَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْہِمْ حَسْرَۃً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ (الانفال،۸:۳۶)۔

أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾
أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾
۷۔ کیا اس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔
۸۔ کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں،

۹۰:۷۔ أَنْ لَمْ: آیت ۵ میں اَیَحْسَبُ کے ساتھ تاکید کے لیے لَّنْ تھا اور اس اَیَحْسَبُ کے ساتھ لَّم ہے کہ یہ حال کی تاکید کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کس کی کوششیں راہِ صواب پر ہیں اور کس کی راہِ خطا پر۔

وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾
۹۔اور ایک زبان اور دو ہونٹ،

۹۰:۹۔لِسَانًا وَشَفَتَیْنِ: لِسَانًا اور شَفَتَیْنِ سے زمزم کو پی کر دیکھو کہ یہی انہیں محن کے دنوں میں اکل و شرب کا کام دیتا تھا۔ صفا و مروہ (نجدین) کی دونوں ٹیکریوں پر جا کر دیکھو کہ کس قدر پریشانی انہیں تھی۔ یہاں والد کے ساتھ والدہ بھی شامل ہے۔ یہ ابتلا کا ایک تنگ اور دشوار گزار راستہ تھا جس میں سے وہ تینوں علیہم الصلوٰۃ گزر گئے۔

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾

۱۰۔اور ہم نے اسے (نیکی و بدی کے) دونوں اُونچے اور نمایاں راستے بھی دکھا دئے ہیں۔

۱۰:۹۰۔نَّجْدَيْنِ: انسان اپنی بناوٹ ہی پر غور کرے کہ اسے دو آنکھیں دی گئی ہیں تا کہ وہ راہ صواب اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی راہوں کو دیکھ سکے پھر زبان اور ہونٹ دیئے کہ کسی سے پوچھ ہی لے اور نیکی و بدی کے راستوں کو واضح کر دیا ہے۔نَجد بلند اور سخت جگہ کو کہتے ہیں۔ نیکی و بدی اور حق و باطل کے راستوں کو دو اونچے راستے کہا ہے۔ یہ بتانے کے لیے کہ ان میں بآسانی تمیز ہو سکتی ہے (مفردات)۔ اور دور ہی سے نظر آجاتے ہیں۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مکہ وادی غیر ذی ذرع میں تھا اس کا بلد بن جانا، و الد (حضرت ابراہیمؑ) اور ولد (حضرت اسماعیلؑ) کی صدق و صواب والی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ آنکھوں سے دیکھو کہ یہ کعبہ باپ اور بیٹے کا بنایا ہوا ہے

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾
وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾

۱۱۔لیکن وہ دشوار اونچی گھاٹی پر نہ چڑھا۔

۱۲۔اور کون سی چیز تمہیں آگاہ کر سکتی تھی کہ وہ دشوار گزار اونچی گھاٹی کیا ہے۔

۱۱:۹۰۔الْعَقَبَةَ: پہاڑ کے درے اور گھاٹی کو بھی کہتے ہیں (مفردات)۔ کہ بہت تنگ اور دشوار گزار ہونے کے پھیل کر اس میں سے نہیں گزرا جا سکتا اور ایک کے عقب میں دوسرے کو گزرنا پڑتا ہے۔ بعض لوگوں نے عَيْنَيْنِ، شَفَتَيْنِ اور النَّجْدَيْنِ سے بچہ کی سمجھ، اس کا دودھ چوسنا اور ماں کے پستان بھی مراد لیے ہیں۔اس میں بھی کوئی خلاف نہیں۔

فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾

۱۳۔(وہ) کسی گردن کا(۔غلامی یا قرض سے) چھڑانا ہے،

۹۰:۱۳۔ فَكُّ رَقَبَةٍ: یہ بتانے کے بعد کہ انسان ایک مکلف اور جواب دہ ہستی ہے اور احکامِ الٰہیہ تکلیف مالا یطاق نہیں ان اعمال صالحہ کی طرف توجہ دلائی ہے جو انسان کو سعادت کی گھاٹیوں پر لے جاتے ہیں اور ان کا آغاز شفقت علی خلق اللہ سے کیا ہے۔ دنیا کے کسی مذہب نے معاشرے کے کمزور افراد کی سربلندی کے لیے وہ کوشش نہیں کی جو اسلام نے کی ہے۔
فَکُّ رَقَبَۃٍ: ۱۔ غلام کا آزاد کرنا، ۲۔ مقروض کے قرضوں اور زیر بار لوگوں کے بوجھوں کو ہلکا کرنا، دکھیاروں کے دکھوں کو دور کرنا، ۳۔ اپنے آپ کو اور دوسروں کو غلط رسم و رواج اور گناہ کی غلامی سے آزاد کرنا۔

أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾
يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾

۱۴۔ یا بھوک و پیاس سے درماندگی کے وقت کھانا کھلانا ہے،

۱۵۔ قریبی یتیم کو،

۱۶۔ یا خاک نشین مسکین کو۔

۹۰:۱۴۔ مَسْغَبَةٍ: سَغَب کے معنی ہیں بھوک اور پیاس جس کے ساتھ کمزوری اور درماندگی ہو (مفردات)۔ مَسْغَبَۃٍ اس سے مصدر میمی ہے۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ پھر (اس طرح) وہ ان لوگوں کے زمرے میں ہوتا جو ایمان لاتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو (خلقِ خدا پر) رحم کی نصیحت کرتے ہیں۔

۹۰:۱۷۔ثُمَّ: یہاں تاخیر کے لیے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے ایثار کے کام کرنے سے جو بیان ہوئے ہیں انسان مومن بن جاتا ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ یہ کفار اگر عام نیکی کے کام سرانجام دینے والے ہوتے تو انہیں اسلام لانے کی توفیق بھی مل جاتی۔ حضرت حکیمؓ بن حزام نے ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ ایام کفر میں جو نیکیاں میں نے کی تھیں کیا وہ اکارت گئیں۔ آپ نے فرمایا نہیں أَسْلَمْتَ عَلَى مَا سَلَفَ مِنْ خَيْرٍ (بخاری، کتاب الزکوٰة، باب مَنْ تَصَدَّقَ فِی الشِّرْكِ ثُمَّ أَسْلَمَ، حدیث: ۱۴۳۶)۔ بلکہ انہی نیک اعمال کی وجہ سے تو تمہیں یہ دولت ایمان میسر آئی ہے۔ صبر کرنے سے انسان بدظنی سے بچ جاتا ہے۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾
وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿۱۹﴾

۱۸۔ یہ مبارک، خوش نصیب لوگ ہیں۔

۱۹۔ لیکن جنہوں نے ہمارے احکام کا انکار کیا ہے وہ بدنصیب ہیں۔

۹۰:۱۸۔أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ: ان آیات میں مکہ والوں کو بھی تنبیہ کی ہے کہ تمہارا انسانی اور اخلاقی فرض تھا کہ یتیموں اور مسکینوں سے حسن سلوک کرتے مگر تم نے در یتیم کی قدر نہ

کی۔ ہاں جنہوں نے قدر کی وہی أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ثابت ہوں گے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

عَلَيۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ان پر بند کی ہوئی آگ (نازل) ہو گی۔

۹۰:۲۰۔ مُؤْصَدَةٌ: دروازہ کو بند کر دیا۔ ہانڈی کو ڈھانک دیا (لسان العرب)۔ ۱۔ دوزخ کے دروازے ان پر بند کر دیئے جائیں گے اور وہ از خود اس میں سے نہیں نکل سکیں گے، ۲۔ پھر جس آگ کو چاروں طرف سے بند کر دیا جائے، جیسے بھٹی کی آگ ہوتی ہے اس کی شدت بڑھ جاتی ہے۔ گویا یہاں سزا کی شدت کا مضمون بیان ہوا ہے، ۳۔ پھر اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ بد کردار انسان بعض دفعہ بظاہر ہنستا ہوا نظر آتا ہے لیکن بعض اندرونی بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے، اندر ہی اندر کڑھ رہا ہوتا ہے اور نہانی آزار میں مبتلا ہوتا ہے۔

NOOR Foundation USA Inc.
A 501(c)(3) non-profit- non-sectarian Islamic organization
DONATIONS are Welcome, Appreciated, Valued and Tax Deductible.

Email: noorfoundationusa@gmail.com
Website: www.islamusa.org